حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

جناب شفقت حسین خادم صاحب ایم اے۔ اسلامیات

اسلامی دُنیا کے لیے ہندوستان کی دریافت اور یافت نئی دُنیا کی یافت سے کم انقلاب انگیز نہ تھی۔ پہلی صدی ہجری کے اوائل ہی میں مسلم تاجروں کی یہاں آمد ہوئی (واضح رہے کہ عربوں کا سلسلۂ تجارت یہاں تک پہلے بھی تھا)۔ پھر جلد ہی غازیوں کے دستے آنا شروع ہو گئے۔ (ابتدا حضرت عمر فاروقؓ میں)۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسمؒ ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقے کو قوتِ ایمان و شمشیر سے فتح کیا۔ ساتھ ہی ساتھ برصغیر میں صوفیائے اسلام کی خانقاہیں اور روحانیت کے مراکز قائم ہونا شروع ہو گئے۔

حقیقتہً مجموعی ہندوستان کے وسیع تر علاقوں کی فتح کا سہرا اسکندرِ ثانی سلطان محمودؒ غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر پر سجا — مستحکم اور مستقل — مسلم سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں آئی۔ روحانی تسخیر کا معرکہ خواجہ معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) نے انجام دیا۔[1] کہا جاتا ہے کہ ۹۰ لاکھ[2] افراد نے آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا۔

آپ کا نسب نامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آپ کی ذات تک نہ صرف دینداری و پرہیزگاری میں ممتاز ہے، بلکہ اس میں مخلوق کی اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بننے والی شخصیات

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت۔ از مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۳۱، ۳۲

[2] تاریخ مشائخِ چشت۔ از مولانا زکریا ص ۱۴۳ - سیر الاقطاب از الہدیہ - ص ۱۳۷ -

شامل ہیں[1]۔

نسب نامہ تذکرۃ الانساب، خزینۃ الاصفیہ، اقتباس الانوار، اخبار الاخیار، احسن السیر، وقائع شاہ معین الدین چشتیؒ، رواتح المصطفیٰ اور رسالۃ الانساب وغیرہ میں جو شجرے دیئے گئے ہیں اُن میں کچھ اختلافات ہیں۔ تحقیقی ترتیب کے مطابق حضرت خواجہؒ سے امام موسیٰ کاظمؒ تک "مراۃ الاسرار" میں (اس کا ایک قلمی نسخہ لندن کی برٹش میوزیم لائبریری میں ہے) اور حضرت موسیٰ کاظمؒ سے لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک "تذکرۃ السادات" میں (جو بڑی تحقیق سے بحکم سلطان ابو النظفر شاہ عالم بہادر شاہ مرتب کیا گیا ہے) مذکور ہے۔

اِن دونوں کُتب کی روشنی میں شجرۂ نسب پدری اس طرح ہے:۔

"خواجہ معین الدین حسن بن خواجہ غیاث الدین بن خواجہ نجم الدین طاہر بن سید عبد العزیز بن سید ابراہیم بن سید آدریس بن سید امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق، بن امام زین العابدین بن امام حسین رضؓ بن سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔

شجرۂ نسب مادری اس طرح ہے:۔

"حضرت بی بی اُمّ الورع المعروف بی بی ماہ نور وخاص الملک بنت سید داؤدؒ بن عبداللہ الحنبلی بن سید زاہد بن سید لورث بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید حسن مثنیٰ بن سیدنا امام حسنؓ بن سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ یہ شجرہ بقول "صاحب سالک السالکین جلد دوم، ص ۱-۲۷۱، تواریخ آئینۂ تصوف میں بحوالہ ظہرت نامہ و مکتوب نظام" درج ہے۔

مقام ولادت آپ کے مقام ولادت میں اختلاف ہے۔ مؤلف سیر العارفین نے آپ کا مولد سجستان لکھا ہے (فتوح البلدان جزو دوم میں زابستان اور غزنی کے درمیان دریائے ہلمند کے نیچے کے علاقے کو سجستان اور بلخ تک کے اوپر کے علاقے کو طخارستان لکھا گیا ہے) جغرافیہ[2] خلافت مشرقی کا بیان ہے۔ سیستان فارسی لفظ سنگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس مُلک کی زمین نشیب

---

[1] معین الارواح از خادم حسن ص ۹

[2] اس کا مصنف جی بی اسٹرینج ہے اور اس نے ۳۰ صفحات میں اس کا جغرافیہ بیان کیا ہے۔

میں ہے اور جبیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں اُن سب کے ڈیلٹا اس زمین پر پڑتے ہیں۔ فارسی میں سیستان کو نیمروز یا جنوبی ملک بھی کہتے ہیں اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یہ بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے۔ صوبہ سجستان کی زرخیزی مشہور رہی ہے۔ ایرانی روایات میں سیستان اور زابلستان کی وجہ شہرت یہ تھی کہ وہ رستم کے باپ زال کا وطن تھا اور رستم ایرانیوں کا قومی ہیرو تھا۔

بعض نے مقامِ ولادت اسنجار (متصل موصل) لکھا ہے۔ ڈاکٹر براؤن نے لٹریری ہسٹری آف پرشیا، جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ میں اسے سنجر (SANJAR) لکھا ہے اور اس کا محلِ وقوع ایشیائے کوچک لکھا ہے، جب کہ صاحبِ سالک السالکین نے بھی سنجر لکھا ہے اور اسے موصل سے تین دن کی راہ پر بتایا ہے[1] سنجر نام کے تین مقامات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک سنجر بغداد سے سات میل مغرب میں موصل کے قریب ہے۔ سلطان سنجر سلجوقی اسی جگہ پر پیدا ہوا تھا اور اس کا نام تمار یک بھی تھا۔ دوسرا سنجر اصفہان میں ایک محلّے کا نام تھا جب کہ تیسرا سنجر صوبہ سیستان میں تھا اور اسی کو حضرت کا وطن کہا جاتا ہے۔ صوبہ سیستان ایران و افغانستان کی حدود کے درمیان نیشاپور سے دور جنوب میں واقع ہے۔

صاحبِ معین العارفین نے دار العلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر کے ایک ہراتی طالب علم شیر گل خاں کے حوالے سے بتایا ہے کہ یہی حضرت کا وطن تھا۔ یہاں آپ کے خاندان کے افراد اب تک موجود ہیں۔ اس کے گرد پہاڑ ہیں اور یہاں پھل بکثرت پائے جاتے ہیں[2]۔

حضرت نواب خادم حسن صاحبِ معین الارواح کی تحقیق کے مطابق حسبِ سیر الاقطاب صحیح تر یہ ہے کہ آپ کا آبائی وطن سجزستان یعنی سنجر (سیستان) ہے۔ صاحبِ سالک السالکین نے سجستان کو سیستان کا معرّب بتایا ہے اور اس کا مخفف، سجز (س ج ز) لکھا ہے اور ہنری جارج کین نے نظر ثانی شدہ اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری بہ ضمن حالات ابو الفرج اسے سجز ہی لکھا ہے اور سیر الاقطاب ہی کے مطابق مقامِ ولادت صفاہان (اصفہان) ہے (صفحہ ۱۰۱) لیکن معلوم ہے کہ آپ کی بود و باش

---

[1] تاریخِ دعوت و عزیمت از ابو الحسن علی ندوی صفحہ ۲۴ و معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۹

[2] تاریخ مشائخِ چشت از خلیق احمد نظامی صفحات ۷۵ تا ۷۷ و معین الارواح از نواب خادم حسن صفحہ ۹

سنجان (سنج) میں رہی۔ (فتح البلدان جزو دوم حصہ ہشتم، صفحہ ۸۵ پر جو نقشہ منسلک ہے اس میں علاقہ سجستان میں سنج کو دکھایا گیا ہے) یہی جگہ سنجر کے نام سے مشہور ہے اور بقول ابوالفضل یہ قصبہ (سجز) سیستان سے متعلق ہے (آئینِ اکبری، جلد دوم صفحہ ۶۲) اور اسی کی توضیح کرتے ہوئے مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ رقمطراز ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی کی اصل نسبت "سجزی" ہے جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی کی وجہ سے سنجری بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سجزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سجزی کی نسبت سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس اس کو عام طور پر خراسان کا ایک حصہ مانتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔ اس کا پایۂ تخت زرنج تھا جس کے کھنڈرات زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانے میں سجستان کی حدود غزنین تک تھیں۔ (احسن التقاسیم) بعض جغرافیہ نویسوں کے نزدیک "سجز" سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے جس کی طرف نسبت سجزی آتی ہے۔ کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کر دیتے ہیں۔[۱]

رسالہ "احوال پیرانِ چشت" غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا ہے، پھر فتوح السلاطین کے اشعار بھی سجزی ہی سے موزوں ہوتے ہیں۔ ایک شعر ہے ؎

معین الدین آں سجزی دین پناہ
کہ رخصت بہ اجمیر آں مردِ راہ ۰

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عربی داں حضرات کا سجستان کے اس قصبے کو "سجز" کہنا صحیح ہے لیکن ترکوں نے سنجرستان کے اس قصبے کو "سنجر" کہا تو غلط نہیں کہا۔ اس مقام کے تلفظ پر اصرار کرنا علمیت کی نہیں، ضد کی بات ہے۔ یہاں کے باشندوں کو اُن کی رعایت کی وجہ سے سنجری بھی کہا جاسکتا ہے اور سجزی بھی۔[۲]

سنِ ولادت | آپ کی ولادت کے مختلف سنین ۵۲۳ھ اور ۵۳۷ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ ۵۳۷ھ کو اگرچہ کثرتِ رائے حاصل ہے مگر دو کلیات انصاف تین مؤلف مراۃ الاسرار نے (جس کا ایک قلمی نسخہ

۱؎ تاریخ دعوت و عزیمت از ابوالحسن علی ندوی
۲؎ سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ از ڈاکٹر احمد مسعود
۰ شعر کا وزن گرفت میں نہیں آیا۔ (ادارہ)

رامپور کے سرکاری کتب خانے میں ہے) آپ کا بعمر ۹۷ سال ۶۲۷ھ میں وفات پانا لکھا ہے۔
اس حساب سے آپ کا سنِ ولادت ۵۳۰ھ نکلتا ہے۔ یہی سالِ ولادت مؤلف مراۃ الانساب
صفحہ ۱۶۰ اور خاندانِ زبیر کنبوہی جلد اوّل صفحہ ۳۱۶ وغیرہ نے لکھا ہے۔ صاحب سیر الاقطاب نے
۶۳۳ھ کو سالِ وصال تسلیم کیا ہے اور "آفتاب ملک ہند" سے اس سن کا استخراج کیا ہے۔ سرمد
علیہ الرحمۃ بھی اسی سن کے مؤید ہیں اور صاحب خزینۃ الاصفیا نے بھی یہی سالِ وصال مانا ہے، مگر
نہ معلوم سید امیر علی نے اسپرٹ آف اسلام میں سالِ وصال ۶۶۳ھ / ۱۲۵۶ء کیسے لکھ دیا ہے؟
پھر آپ کی عمر شریف کے متعلق بھی متعدد آراء ہیں، لیکن کسی کو تاریخی شہادت حاصل نہیں ہے۔ ستانوے،
اٹھانوے اور سو برس تک کہی جاتی ہے۔ اس طرح اگر اسمائے حسنہ کی رعایت سے حضرت کی عمر
ننانوے سال مان لیں تو اعتراض کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ممکن ہے یہی مبارک و مسعود بھی ہو۔ ننانوے
برس کی عمر اور ۶۳۳ھ کو سنِ وصال طے کرنے کے بعد از روئے حساب ۵۳۴ھ کو سالِ ولادت ہونے کا
شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ مختلف وجوہات کی بنا پر نواب خادم حسن کی تحقیق اقرب الی
الصواب ہے یعنی ۵۳۰ھ۔ مؤلف مرقعۂ خواجگان نے صفحہ نمبر ۱۱ پر بحوالہ "آئینہ تصوف" آپ کی
تاریخ ولادت ۹ جمادی الثانی لکھی ہے۔ ۵۳۰ھ کی یہ تاریخ ۱۵ مارچ ۱۱۳۶ء سے مطابقت کرتی ہے[1]۔

نشوونما اور ابتدائی تعلیم

آپ کا نشوونما خراسان میں ہوا[2] (اسلامی فتوحات کے بعد کابل و قندھار
سے لے کر ایران تک کا ملک خراسان کہلایا۔ جب ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی تختِ قندھار پر بیٹھا،
اُس وقت اس کا نام افغانستان ہوا مگر مغربی حصہ اب بھی خراسان کہلاتا ہے[3])۔ ابتدائی تعلیم سے متعلق
کتابوں میں تفصیلات نہیں ہیں۔ مگر حال کے ایک تذکرے میں لکھا ہے کہ ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی
حاصل کی۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا[4]۔ (مولف سیر العارفین نے بھی آپ کا دورانِ قیام سمرقند و بخارا

۱؎ یہ بحث معین الارواح از نواب خادم حسن صفحہ ۱۰ اور سوانح خواجہ معین الدینؒ چشتی از عبد احمد مسعود سے
ماخوذ ہے۔

۲؎ معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۲ ۳؎ خاندانِ زبیر کنبوہی جلد اوّل ص ۱۳

۴؎ سیر الاقطاب صفحہ ۱۵۱۔

میں قرآن حفظ کرنا لکھا ہے صفحہ نمبر ۵۔ بعض نے آپ کا نواحِ خراسان میں تعلیم پانا اور قرآن حفظ کرنا لکھا ہے۔ بعد ازاں آپ سنجر کے ایک مدرسے میں داخل ہو گئے۔ یہاں آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور تھوڑے ہی عرصے میں خاصا علم حاصل کر لیا۔[1]

یتیمی اور تقسیم ترکہ

آپ کو یتیمی کا صدمہ بھی اٹھانا پڑا۔ ۱۵ شعبان ۵۴۴ھ مطابق ۱۱۵۰ء (جب کہ آپ کی عمر کا پندرھواں سال تھا[2]) آپ کے والد غیاث الدین نے جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سفر اختیار فرمایا۔ ایک سال کے اندر ہی والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔[3] آپ کے والد کا مزار بغداد کے محلے "دروازہ شام" (بغداد میں باب شام شمال میں کاظمیہ کے رخ پر واقع ہے[4]) میں ہے۔ یہ ایک پختہ مگر بوسیدہ حجرے میں ہے اور زیارت گاہِ خلائق ہے۔

والد گرامی کے وصال کے بعد جب ترکہ تقسیم ہوا تو آپ کے حصے میں ایک باغ اور ایک پن چکی آئی۔ بچہ وہ تنہا باغ کی نگرانی خود کیا کرتے تھے اور اسی آمدنی سے گزربسر کرتے تھے۔[5]

شیخ ابراہیم قہندوزی سے ملاقات

شروع ہی سے آپ کا مزاج فقر دوست تھا اور درویشوں کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ شعبان ۵۴۴ھ میں ایک دن (جب کہ عمر کا پندرھواں سن چل رہا تھا) آپ باغ کو سیر فرما رہے تھے کہ ابراہیم قہندوزی مجذوب کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے انہیں عزت کے ساتھ بٹھایا اور خوشۂ انگور سے اُن کی تواضع کی۔ مجذوب اس خلوص سے بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے ایک کھل کا ٹکڑا بغل سے نکالا اور دانت سے کاٹ کر آپ کو دیا۔ اُس کو کھانے سے آپ کا قلب دُنیا سے سیر ہو گیا۔ باغ اور پن چکی فروخت کر کے قیمتِ موصولہ فقرأ و مساکین میں تقسیم کر دی اور خود طلبِ حق میں سفر اختیار

۱۔ ہولی سینٹ آف اجمیر از الحاج محمد علی سالمین صفحہ ۲۲ بحوالہ معین الارواح صفحہ ۱۲۔

۲۔ سوانح خواجہ معین الدین چشتی از وحید احمد مسعود صفحہ ۸۰، ۸۱۔ معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۲۔

۳۔ سوانح خواجہ معین الدین چشتی از وحید احمد مسعود صفحہ ۸۰۔

۴۔ مقالہ۔ بغداد۔ از کرنل بھولا ناتھ مطبوعہ ماہنامہ الناظر جنوری ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۲۔

۵۔ سیر العارفین صفحہ ۵، معین الارواح صفحہ ۱۲، سوانح خواجہ معین الدینؒ چشتی صفحہ ۸۱۔

فرمایا۔[1]

اسفار امصار کا جائزہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حیات مصروف کا بیشتر حصہ سفر و سیاحت میں گذرا ہے بلکہ اگر اُسے کاملاً "سیروا فی الارض" کا نمونہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا۔

آپ کی سفری زندگی کا آغاز ۵۴۲ھ سے ہوتا ہے، جب کہ حضرت ابراہیم قہندوزی سے ملاقات کے بعد تلاشِ حقیقت کی جستجو آپ میں پیدا ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے آپ سمرقند و بخارا گئے اور وہاں تحصیلِ علم کیا۔ ۵۵۵ھ میں آپ عراق تشریف لائے اور یہاں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (ولادت ۴۷۱ھ) سے ملاقات کی۔ اُس وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس سال تھی۔ بغداد میں ملاقات کی جگہ اب بھی محفوظ ہے۔ عراق سے آپ حرمین روانہ ہوئے، یہاں سے واپسی پر ہارون (چراغ دہلویؒ نے خیر المجالس میں اسے ہرون لکھا ہے) تشریف لائے اور حضرت خواجہ عثمانؓ ہارونیؒ کے دستِ حق پرست پر بیعتِ سلسلہ کی۔ ڈھائی برس تک مرشد کی خدمت میں مصروفِ مجاہدہ رہے اور صاحبِ اجازت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔[2]

ہارون سے واپس بغداد تشریف لائے۔ اِس موقع پر آپ نے شیخ ابو نجیب سہروردیؒ سے ملاقات کی۔ بعد ازاں آپ شام اور پھر کرمان تشریف لے گئے۔ آپ ایک سے زائد مرتبہ ہندوستان تشریف لائے۔ (یہ ایک اختلافی بحث ہے)۔ تبریز، استر آباد، بخارا، خرقان، سمرقند، میمنہ اور پھر ہرات سے ہوتے ہوئے آپ ملتان تشریف لائے۔ یہ ہندوستان میں آپ کی پہلی آمد تھی۔ ملتان سے آپ واردِ لاہور ہوئے۔[3] اس ورود کے موقع پر آپ اجمیر نہیں گئے۔

---

[1] معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۲، وحید احمد مسعود صفحہ ۸۲: ۸۳۔ آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام صفحہ ۱۹۹، تذکرۂ خواجگانِ چشت از شیخ الہدیہ ص ۱۳۷۔

[2] آپ کا اسمِ گرامی عثمانؒ، کنیت ابوالنور اور لقب چشتی ہے۔ آپ ۵۲۹ھ میں قریہ ہارون میں پیدا ہوئے اور اکانوے برس کی عمر میں ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔ خواجہ شریفؒ زندنی سے بیعت تھے۔ آپ کی سیرت پر بہترین تصنیف نواب خادم حسن صاحب کی کتاب "ذکرِ عثمانؒ" ہے جسے اگست ۱۹۴۶ء میں خادمی پریس اجمیر نے شائع کیا۔

[3] سیر العارفین صفحہ ۷، فرشتہ ترجمہ اُردو جلد ۲ صفحہ ۵۷۰، مسالک السالکین جلد ۲ صفحہ ۲۷۳، بحوالہ معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۲۔

جس وقت آپ لاہور تشریف لائے وہاں بہرام شاہ کا پوتا خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی حکومت کرتا تھا۔ لاہور میں آپ دو ہفتے تک شیخ علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) کے مزار پر معتکف رہے (تذکرہ اولیائے ہند کے صفحہ ۸ پر مدتِ اعتکاف دو ماہ لکھی ہے) آپ کا حجرۂ اعتکاف اب تک موجود ہے۔ رخصت کے وقت آپ نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما [1]

لاہور کے بعد آپ بلخ اور استر آباد سے ہوتے ہوئے بغداد واپس چلے گئے۔

۵۶۲ھ تا ۵۸۲ھ کا زمانہ آپ کے اسفار کی تاریخ میں بہت اہم ہے۔ اس دوران آپ اپنے مرشد کے ہمراہ حرمین تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ نے مرشد کے ساتھ سیوستان، دمشق اور سنجار کا سفر کیا۔ یہاں سے پھر ۵۸۱ھ میں حرمین کے لیے روانہ ہو گئے۔ اسی دور میں سنجار میں شیخ نجم الدین کبریٰ (م ۶۱۶ھ) سے ملاقات کی۔ کوہ جودی کے دامن میں واقع مقام جیل میں آپ نے دوسری مرتبہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۰ برس اور شیخ کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی۔

۲ سال تک مرشد کی خدمت کرنے کے بعد آپ بغداد میں مرشد سے رخصت ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۲ سال تھی۔ اس موقع پر خواجہ عثمانؒ ہارونی نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اس طرح ۵۸۲ھ میں مرشد سے رخصت ہونے کے بعد آپ اصفہان تشریف لائے۔ یہاں آپ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو مرید کیا۔ خواجہ بختیار کاکی خواجہ صاحب کے ہمراہ سفرِ حرمین کے لیے روانہ ہوئے۔ ۵۸۳ھ میں آپ حرمین میں تشریف لائے تو دربارِ رسالتؐ سے آپ کو نومی بشارت کے ذریعے اجمیر جانے کا حکم دیا گیا۔ بعد ازاں آپ اجمیر روانہ ہوئے۔

چشتیہ کی وجہ تسمیہ یہ خیال غلط ہے کہ چشتیہ سلسلہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شروع ہوا۔ دراصل چشت

[1] مسالک السالکین جلد دوم صفحہ ۲۷۸ اور خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۲۲۳ پر شعر کا آخری لفظ رہنما کے بجائے پیشوا لکھا ہوا ہے۔

[2] تذکرہ خواجگانِ چشت از شیخ الہدیہ ص ۱۴۲، ۱۴۳۔

خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں کچھ بزرگانِ دین نے رُوحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا تھا۔ جسے بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔ مولانا رحیم بخش نے شجرۃ الانوار میں لکھا ہے۔ چشت نام کے دو مقام ہیں۔ ایک شہر خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔ دوسرا چشت ہندوستان میں (یہ تقسیم ہند سے قبل کی تحریر ہے) اوچ اور ملتان کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ خواجگانِ چشت خراسان والے چشت سے تعلق رکھتے ہیں[1]

سلسلۂ چشتیہ کی ابتدا حضرت خواجہ ابو اسحٰق سے ہوئی جب آپ بقصدِ حصولِ بیعت حضرت خواجہ ممشاد علوؒ دینوری کی خدمت میں بغداد میں حاضر ہوئے اور شرفِ بیعتِ ارادت سے مشرف ہوئے تو حضرت خواجہ ممشاد علویؒ دینوری نے دریافت فرمایا تیرا نام کیا ہے؟ عرض کیا اس عاجز کو ابو اسحاق شامی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج سے ہم تجھ کو ابو اسحٰق چشتی کہیں گے۔ جو تیرے سلسلۂ ارادت میں تا قیامِ قیامت داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا۔ پس خواجہ ابو اسحٰقؒ شامی حسبِ فرمانِ مرشد رشافلاں تشریف لائے جو ہرات سے ۳۰ کوس کے فاصلے پر ہے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے۔ آپ کے چشت کے بزرگان میں سے خواجہ ابو احمدؒ چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی، اور خواجہ قطب الدینؒ۞ مودود چشتی بھی چشت میں قیام پذیر ہو کر مدفون ہوئے سو یہ سلسلہ چشتی کے نام سے مشہور ہوا۔ چونکہ مذکورہ بالا حضرات اجمیریؒ کے پیرانِ سلسلہ ہیں، اس لیے خواجہ معین الدینؒ حسن بھی چشتی کہلائے[2]

بہت سے دیگر روحانی سلسلوں کی طرح سلسلہ چشتیہ بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے شروع ہوتا ہے۔ مشہور اسمائے مشائخ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت علیؓ ابن ابی طالب ۲۔ خواجہ حسن بصری۔ ۳۔ خواجہ ابو الفضل عبدالواحد ابن زید ۴۔ خواجہ ابو الفیضؒ فضیل بن عیاض۔ ۵۔ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم بلخی۔ ۶۔ خواجہ سدید الدینؒ حذیفہ المرعشی۔ ۷۔ خواجہ امین الدینؒ ابی ہبیرہ البصری۔ ۸۔ خواجہ ممشاد علی دینوری۔ ۹۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۳۷

[2] مسالک السالکین جلد دوم صفحہ ۱۹۱ ۔ معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۱

۞ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کا نسب انہی سے مربوط ہے۔ (ایڈیٹر)

۱۰۔ حضرت خواجہ ابی احمد ابن فرسنافہ چشتی ۔ ۱۱۔ خواجہ ابی محمد ابن احمد چشتی ۔ ۱۲۔ حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی ۔ ۱۳۔ حضرت خواجہ مودود چشتی ۔ ۱۴۔ خواجہ حاجی شریف زندنی ۔ ۱۵۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ۔ ۱۶۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

فتوح السلاطین ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب الانتباہ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ چشتیہ سلسلہ حسن بصری کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک نہیں پہنچتا، اس لیے کہ حسن بصریؒ اس وقت خورد سال تھے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن شاہ فخر الدین دہلوی نے جو شاہ ولی اللہ کے معاصر تھے، اس خیال کی تردید کی ہے اور ایک کتاب فخر الحسن لکھی ہے جس میں حسن بصریؒ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے خلافت پانا ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کی شرح مولانا احسن الزمان حیدرآبادی نے "قول المستحسن فی شرح فخر الحسن" کے نام سے عربی میں لکھی ہے۔[1]

اجمیر میں آپ کی آمد

"اجمیر" قلب راجستھان میں اسی نام کی ایک سابقہ نیم خود مختار ریاست کا پایۂ تخت، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا ایک راجہ جس کی غزنین کی سرحد تک راجدھانی تھی۔ اس کا نام "آجا" تھا جس کے معنی ہندی میں آفتاب کے ہیں اور "میر" ہندی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی تواریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان پر سب سے پہلے پہاڑوں پر جو دیواریں بنائی گئیں ان میں سے یہی وہ دیوار ہے جو کوہ اجمیر کے اوپر ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا۔ وہ "پشکر" کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل کے فاصلے پر ہے اور تمام ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال چھ دن تک "تحویل عقرب" کے موقع پر یہاں اکٹھے ہو کر نہاتے ہیں۔

اجمیر کی شہرت خواجہ صاحبؒ کے مزار کی وجہ سے ہے۔ اس مقبرے کو سلاطین مالوہ نے ۸۵۵ھ کے کچھ ہی بعد تعمیر کرایا تھا۔ گو ملحقہ عمارتیں بعد میں بنیں۔ جن میں سے دو مساجد اکبر اور شاہجہان کی تعمیر کردہ ہیں۔ آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر سے سب سے اہم عمارت "ڈھائی دن کا جھونپڑا" ہے جو دراصل ایک قدیم درسگاہ تھی جسے بعد میں مسجد میں تبدیل کر دیا گیا۔[2]

اس شہر کی بنیاد راجپوت راجہ "اجے چوہان" نے ۱۱۰۰ء کے قریب ڈالی تھی۔ ۱۱۹۲ء میں غوری نے اسے فتح کر لیا اور ۱۱۹۵ء میں قطب الدین ایبک نے اسے سلطنت دہلی کا جزو بنا دیا۔ ۱۳۹۷ء سے کچھ ہی عرصے بعد میواڑ کے راجپوتوں

[1] تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی صفحہ ۱۳۵ تا ۱۴۱

[2] اخبار الاخیار از شیخ عبدالحقؒ صفحہ ۱۶۱، تذکرہ خواجگان چشت از شیخ الہدیہ ۱۴۹۔

نے اجمیر کو پھر چھین لیا۔ لیکن ۱۴۵۵ء میں مالوے کے سلاطین نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔ اور شہر پر ۱۵۳۱ء تک قابض رہے۔ اسی سال مارواڑ کے راجہ مالدیو نے اجمیر پر اپنا تسلط جما لیا۔ اکبر نے اپنی سلطنت کے ابتدائی سالوں میں اجمیر کو اپنی قلمرو میں ضم کر کے اسے اسی نام کے ایک صوبے میں ضم کر دیا۔ چونکہ یہ چاروں طرف سے راجپوت ریاستوں میں گھرا ہوا ہے اور مالوہ اور گجرات کے راستے پر واقع ہے اس لیے اجمیر جلد ہی حرب اور تجارت کے نقطۂ نظر سے ایک اہم مرکز بن گیا۔ اُدھر اکبر نے خواجہ صاحب کے مزار کی زیارت کے لیے متعدد سفر کیے جس سے اجمیر ایک اہم زیارت گاہ بن گیا۔ ۱۷۲۱ء کے بعد اجمیر پہلے راجپوتوں کے تصرف میں آیا اور پھر مرہٹوں کے، جنہوں نے ۱۸۱۸ء میں اسے انگریزوں کے حوالے کر دیا[1]۔

بہرکیف اشارۂ جناب رسالتمآبؐ کے بموجب آپ ۵۸۶ھ میں چالیس رفقاء کے ہمراہ بعہد پرتھوی راج ۵۷۲ھ تا ۵۸۸ھ (۱۱۷۷ء تا ۱۱۹۳ء)[2] (جو پندرہ سال حکومت کر کے ۵۸۸ھ میں مارا گیا۔ (احسن السیر ص ۱۲) وارد اجمیر ہوئے اجمیر میں یہ آپ کا پہلا ورود تھا[3]۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۲ برس تھی۔ واردِ اجمیر ہونے کی تاریخ فرشتہ نے ۱۰ محرم لکھی ہے[4]۔

قیامِ اجمیر کے ابتدائی عرصے ہی میں اجمیر کے "جوگیِ اعظم" اجے پال نے اسلام قبول کر لیا۔ جن کا نام سوری رکھا گیا۔ ۵۸۷ھ ہی میں آپ نے پرتھوی راج کی گرفتاری کی پیشگوئی کی اور اسی سال عالمِ رویا میں شہاب الدین غوری کو مژدۂ کامرانی سنایا۔ بعد ازاں پرتھوی راج کو شکست دے کر غوری ۵۸۸ھ مطابق ۱۱۹۲ء میں اجمیر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت قاضی حمید الدین ناگوری بھی اجمیر میں موجود تھے۔ آپ نے شہاب الدین غوری کو شرفِ مریدی سے باریاب فرمایا[5]۔

آپ کی ازدواج و اولاد[6] آپ کا پہلا نکاح بی بی امۃ اللہؒ سے ہوا جن کے بطن سے خواجہ فخر الدینؒ ابو الخیر، خواجہ حسام الدین ابو سعید اور بی بی حافظہؒ جمال تولد ہوئیں۔ یہ نکاح ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۵ء میں ہوا۔ آپ کا دوسرا نکاح بی بی عصمتؒ اللہ کے ساتھ ۶۲۰ھ مطابق ۱۲۲۳ء میں ہوا۔ ان کے بطن سے خواجہ ضیاء الدینؒ ابو صالح پیدا ہوئے۔

[1] دائرۃ المعارف الاسلامیہ اردو جلد ۱ ص ۱۰۱۱-۱۰۱۲۔ [2] اجمیر ہسٹوریکل اینڈ ڈسکرپٹو صفحہ ۱۴۶

[3] معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۱۳۹۔ [4] سوانح خواجہ معین الدینؒ چشتی از عبد احمد مسعود ص ۱۳۹ تا ۱۴۷

[5] معین الارواح صفحہ ۴۸۔

[6] سیر العارفین ص ۱۶۔ سیر الاقطاب صفحہ ۱۲۴، احسن السیر صفحہ ۱۵۹۔ تذکرہ خواجگانِ چشت از شیخ الہدیہ ص ۱۵۱ تا ۱۵۲

خواجہ فخر الدین اور خواجہ ضیاؒ کا مزار اجمیر میں اور خواجہ حسام الدینؒ کا مزار ناظم آباد کراچی کے قریب ہے۔

آپ کے خلفاء یوں تو آپ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اُن میں سے تین نام ایسے ہیں جنہوں نے آپ کے سلسلے کو چار چاند لگائے ہیں:

۱۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔ ۵ رمضان ۶۱۱ھ کو خواجہ صاحب نے آپ کو خلافت عطا کی۔ آپ ۵۷۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۵ سال کی عمر میں ۶۷۰ھ میں انتقال فرمایا۔[۱]

۲۔ خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی۔ آپ سادات حسینی سے ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۵۹ھ میں ہوئی۔ ۵۸۶ھ میں ۱۷ سال کی عمر میں بغداد میں مشرف بہ خلافت ہوئے۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ میں ہوا۔[۲]

۳۔ حمید الدینؒ ناگوری۔ آپ ندان ناگور علاقہ جودھپور کے رہنے والے تھے۔ حضرت سعد بن زیدؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے ۱۰۴ سال کی عمر میں ۶۷۲ھ میں وفات پائی۔

وفات و تدفین شبِ ششم رجب ۶۲۷ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۲۳۰ء بروز دوشنبہ بعد نمازِ عشاء آپ نے حجرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اور خدام کو اندر آنے کی ممانعت فرمائی۔ خدام حجرے کے باہر موجود رہے۔ ان کے کانوں میں تمام شب صدائے وجد آتی رہی۔ آخر شب میں وہ صدا بند ہو گئی۔ جب صلوٰۃ فجر کا وقت آیا اور حجرے کا دروازہ حسبِ معمول نہیں کھلا تو دروازہ توڑ کر دیکھا گیا تو آپ واصل بحق ہو چکے ہیں اور جبین مبارک پہ بخط قدرت "ھذا حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ" مرقوم ہے۔ سہ

چمنے کہ تا قیامت گل او بہار بادہ
سمنے کہ بر جمالش دو جہاں نثار بادہ (جامیؒ)

---

[۱] معین الارواح از خادم حسن صفحہ ۶۰۔ تاریخ مشائخ چشت از خلیق نظامی ص ۱۵۶ تا ۱۶۲۔
[۲] ایضاً ، ، ، ، ۶۳ ، ، ، ، ، ، ۱۵۰ تا ۱۵۶
[۳] ، ، ، ، ۶۳ اخبار الاخیار از عبدالحق صفحہ ۶۷ تا ۹۰
[۴] ، ، ، ، ۶۶ تذکرہ خواجگان چشت از شیخ الہدیۃ صفحہ ۱۵۵۔ تاریخ مشائخ چشت از مولانا ذکریا ص ۱۷۰۔ اخبار الاخیار از شیخ عبدالحقؒ ص ۵۱۔